

اخلاق فی مسائل پر امت ساری کا فتنہ

سوال :- مجھے مذہبی تنازعہ اور تفرقہ سے فطری بُد ہے اور وہ تمام جزئی مسائل جن میں اختلاف کرنے کی گنجائش خود شریعت میں موجود ہے ان میں اختلاف کو جائز رکھتا ہوں۔ اسی طرح اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی معاملہ میں دو یا تین طریقہ عمل ثابت ہوں تو ان سب کو بجا اور سنت کی حد کے اندر شمار کرتا ہوں۔ مثلاً نماز میں رنغ یدین کرنا اور نہ کرنا کے نزدیک دونوں برابر ہیں، چنانچہ میں ان دونوں صورتوں پر عمل کرتا ہوں۔ کبھی اس پر اور کبھی اس پر۔ مجھے اپنے اس مسلک پر پورا پورا اطمینان ہے اور میں نے اسے سوچ بچ کر اختیار کیا ہے۔ مگر والد کرم نے جو کہن جماعت بھی ہیں جن نماز میں رنغ یدین کا التزام چھوڑ دینے کی وجہ سے مجھے یہ نوٹس دے دیا ہے کہ اگر تم نے اپنی روش برلی تو پھر ہمارے تھارے درمیان سلام کلام کا عمل برقرار نہیں رہ سکتا۔ میں نے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اب یہ قضیہ میرے والد کرم کے حلقہ نقار میں بحث کا موضوع بن گیا ہے اور دونوں کی تائید اور تردید میں لوگ زور استدلال صرف کر رہے ہیں۔ مجھ پر جو بے سرو پا اعتراضات عوامی ہو رہے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ تو حقیقی ہو گیا ہے، تیرا دو طریقہ عمل پر عمل کرنا دوامی اور نفاق ہے، تم جماعت کی اکثریت سے رعب ہو گئے ہو، تمہارا اصل مقصد جلب زر اور حصولِ عزت ہے، تمہیں احناف نے یہ پٹی پڑھائی ہے، تو سودوی صاحبِ تقلد ہے، وغیرہ۔ ان اعتراضات پر اسے دلچسپ ترین جواب دیا کہ میں پہلے ہی سودوی صاحب سے یہ اندیشہ تھا کہ وہ جماعت اسلامی کے نام پر اہل حدیث کو حنفی بنائے رہیں گے، چنانچہ یہ اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ یعنی پہلے پہل تو اس جماعت میں آنے والے سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا حنفی مسلک جماعت میں آنے کے بعد بھی برقرار رہے گا، مگر جماعت میں آنے کے بعد ایسے طریقوں سے کام لیا جاتا ہے کہ کسی شخص کو خود کوئی احساس بھی نہیں ہوتا اور اس کا ہلکا سا سر جھول جاتا ہے۔ میں حسب موقع ان سب اعتراضات کے جواب دیتا رہا ہوں، لیکن پھر بھی اپنے اطمینان کے لیے حسب ذیل امور کی وضاحت چاہتا ہوں :-

۱۔ والدین کے حقوق کا دائرہ کتنا وسیع ہے؟ کیا وہ اولاد سے مسائل کی تحقیق کا اور اپنی تحقیق کے مطابق عمل کرنے کا حق بھی سب کر سکتے ہیں؟ کیا والدین کی مرضی کے خلاف مسلک اہل حدیث کی خلاف ورزی (یعنی ترک رنغ یدین) کرنے پر "سخط الرب فی سخط الوالدین" کا وعید کا مستوجب ہو جاؤں گا؟

۲۔ زروئے شریعت نماز میں رنغ یدین کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ کیا حیثیت رکھتا ہے؟ کیا ترک رنغ سے آدمی دائرہ اسلام

سے خارج ہو جاتا ہے؟

۳۔ کیا ایک رکن جماعت دوسرے رکن سے اس بنا پر متاثر ہو سکتا ہے کہ اس نے مرسوم مسلک اہل حدیث کی

خلاف ورزی کی ہے؟

جواب :- جس نزاع کا آپ نے ذکر کیا ہے، اس کا حال پڑھ کر مجھے بہت رنج ہوا۔ مجھ کو اس بات کی ہرگز توقع نہ تھی کہ ہماری جماعت میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہوں گے جو فقہی مسائل میں تعصب و تشدد کی اس حد کو پہنچے ہوئے ہوں گے۔ اگر آپ جیسا مستند علمی آدمی ان حالات کا راوی نہ ہوتا اور ایک دوسری اطلاع سے آپ کی تائید نہ ہو گئی ہوتی تو شاید

میں اس بات کو باور کرنے کے لیے تیار ہو تاکہ واقعی ہماری جہتیں ایسی صورت حال پیدا ہوئی ہوگی۔ بہر حال اس کے اس نزاع نے سراٹھایا ہے، میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس معاملہ کی اصولی اور فقہی اور جماعتی حیثیت کو صاف صاف واضح کر دوں۔

۱۔ اصولی حیثیت سے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ شرعی مسائل میں کسی شخص یا گروہ کا کسی خاص طریق تحقیق و استنباط یا کسی مخصوص مذہب فقہی کی پیروی کرنا اور چیز ہے اور اس کا اپنے اس خاص طریقہ یا مذہب کے لیے تنصیب ہونا اور اس کی بنا پر جتنے بندی کرنا اور اس سے مختلف مذہب رکھنے والوں سے منافرت و منافرت برتنا اور اس کی پابندی ترک کرنے والوں کو اس طرح ملامت کرنا کہ گویا ان کے دین میں کوئی نقص آگیا ہے، بالکل ایک دوسری چیز ہے۔ پہلی چیز کے لیے تو شریعت میں پوری پوری گنجائش ہے، بلکہ خود صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے طرز عمل سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے اور دین میں اس سے کوئی خرابی رونما نہیں ہوتی۔ لیکن دوسری چیز بعینہ وہ تفرق فی الدین ہے جس کی قرآن میں مذمت کی گئی ہے اور اس تفرق کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ لوگ فقہی مسائل ہی کو اصل دین سمجھ بیٹھے ہیں، پھر ان مسائل میں ذرا اندازے اختلاف پر ان کے دنیا الگ الگ امتیں بنتی ہیں، پھر ان فروعی بحثوں میں وہ اس قدر الجھتے اور ایک دوسرے سے بیگانہ ہو جاتے ہیں کہ ان کے لیے امت مسلمہ کی زندگی کے اصل مقصد (یعنی املائے کلمۃ اللہ اور اقامت دین) کی خاطر مل کر جدوجہد کرنا غیر ممکن ہو جاتا ہے۔ مسلک فقہی کے اعتبار سے کسی کا طریق اہل حدیث یا طریق حنفی یا طریق شافعی وغیرہ پر جانا بجائے خود کسی قباحت کا موجب نہیں۔ لیکن اگر یہ چیز آگے بڑھ کر یہ صورت اختیار کر لے کہ مسلمان فی الحقیقت ایک امت نہیں، بلکہ اہل حدیث، اخلاف، شوافع وغیرہ ناموں کے ساتھ الگ الگ مستقل امتیں بن جائیں، اور شرعی اعمال کی جو خاص صورتیں ان مختلف گروہوں نے اختیار کی ہیں وہ ہر ایک گروہ کے مخصوص شعار قرار پا جائیں جن کی بنا پر ان گروہوں میں منافرت اور امتیاز واقع ہو تو پھر یقیناً یہ دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے اور میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ دین اسلام میں اس تقسیم اور تشعب کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ رفع یدین کرنا یا نہ کرنا، آمین زور سے کہنا یا آہستہ کہنا، اللہ ایسے ہی دوسرے امور صرف اسی وقت تک شرعی اعمال ہیں جب تک کوئی شخص ان کے ترک یا فعل کو اس بنا پر اختیار کرے کہ اس کی تحقیق میں حاشا شریعت سے ایسا ہی ثابت ہے، یا یہ کہ ایسا کرنا دلائل شرعیہ کی بنا پر ارجح اور اولیٰ ہے۔ مگر جب یہی اعمال کسی مخصوص فرقے کے شاکر بن جائیں اور ان کا ترک یا فعل وہ ملامت قرار پائے جس کی بنا پر یہ فیصلہ کیا جانے لگے کہ آپ کس فرقہ میں داخل اور کس سے خارج ہیں اور پھر انہی ملا متوں کے لحاظ سے یہ طے ہونے لگے کہ کون اپنا ہے اور کون غیر تو اس صورت میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا یا آمین زور سے کہنا یا آہستہ کہنا یا ایسے ہی دوسرے امور کا ترک اور فعل دونوں یکساں بدعت ہیں اور بدترین قسم کی بدعت ہیں۔ اس لیے کہ سنت رسول اللہ میں بجائے خود قرآن اعمال کا ثبوت ملتا ہے، لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ ان اعمال کو مسلمانوں کے اندر گروہ بندیوں اور فرقہ سازیوں کے لیے ملاقات اور شکار بنایا جائے۔ ایسا کرنا اصل حدیث کا نام لے کر صاحب حدیث علیہ السلام کے منشا کے بالکل برعکس کام کرنا ہے اور اس اصل کام کو غارت کرنا ہے جس کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تھے۔

۲۔ اب اس سلسلہ کی فقہی حیثیت کو لیجیے۔ رفع یدین کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ مختلف طرز عمل منقول ہیں۔
 ۱۔ ابن عمرؓ کی روایت جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور تین مواقع پر رفع یدین کرتے تھے۔ افتتاح صلوٰۃ کے وقت، رکوع میں جاتے ہوئے، اور رکوع سے اٹھ کر۔

ب۔ مالک بن حویرث کی روایت جس میں دو موقعوں پر رفع یدین کا ذکر ملتا ہے۔ افتتاح صلوٰۃ کے وقت اور رکوع سے اٹھ کر۔

ج۔ وائل بن حجر کی روایت جس میں چار مواقع پر اس کا ہونا مذکور ہے۔ افتتاح صلوٰۃ کے وقت، رکوع میں جاتے ہوئے، رکوع سے اٹھتے ہوئے، سجدہ کے موقع پر۔

د۔ ابو حمید ساعدی کی روایت، اس میں بھی چار مواقع پر رفع یدین کا ذکر ہے، مگر چوتھا موقع سجدہ کی بجائے تیسری رکعت میں قعدہ سے اٹھنے پر بیان کیا گیا ہے۔

س۔ عبداللہ ابن مسعود اور یحییٰ ابن عازب کی روایت جس میں صرف ایک مرتبہ رفع یدین کرنے کا ذکر ہے، یعنی افتتاح صلوٰۃ کے موقع پر۔

ان مختلف روایات میں سے (۱) کو امام شافعی، احمد، اور ابو ثور نے، نیز اہل الحدیث اور اہل الظاہر کی اکثریت نے اختیار کیا اور ایک روایت امام مالک سے بھی یہی ہے کہ وہ اس کو ترجیح دیتے تھے۔ (۲) کو اہل الحدیث کے ایک گروہ نے مرجع ٹھہرایا۔ (۳) کو ابراہیم غنی، شعیب، سفیان ثوری، ابو حنیفہ اور تمام فقہائے کوفہ نے ترجیح دی۔ لیکن یہ واضح رہے کہ سوال صرف ترجیح کا ہے نہ کہ رد و قبول کا۔ ائمہ سلف میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ جن مختلف طریقوں کا ذکر مذکورہ بالا احادیث میں آیا ہے ان میں سے کسی پر حضورؐ نے عمل نہیں کیا تھا، بلکہ کہتے صرف یہ ہیں کہ جس خاص طریقہ کو ہم نے مرجع قرار دیا ہے وہ حضورؐ کا عام معمول تھا اور دوسرے طریقوں پر آپؐ کبھی کبھی عمل کر لیتے تھے۔ پس جب معاملہ کی حقیقت یہ ہے تو ان طریقوں میں سے جس پر بھی کوئی عمل کر رہا ہے، حدیث ہی کی پیروی کر رہا ہے اور اس پر تکیہ کرنا یا معنی رکھنا بے کربا ہے۔ پیغمبر پر تکیہ کی جاتی ہے جس کی جرات متقدمین کو بھی زربا نہیں کجا کہ اہل حدیث اس کا ارتکاب کریں۔ پھر اگر کوئی شخص ان طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ پر چار ہونے کے بجائے وقتاً فوقتاً ان سب طریقوں پر عمل کرتا رہے جو حدیث میں مذکور ہیں تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ صحیح و مکمل پیروی ہوگی، اور لفظ عمل بالحدیث کا اطلاق اس طرز عمل پر زیادہ صحیح معنی میں ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ابتدا ہی میں ایک طریقہ کو ترجیح دینے اور باقی سب طریقوں کو ترک کر دینے کے بجائے ان سب طریقوں کو نماز میں اختیار کرنے کی گنجائش رکھی جاتی تو شاید بعد کے ادوار میں وہ جمود و تعصب پیدا ہی نہ ہوتا جس کی بدولت نسبت یہ آگئی ہے کہ لوگ تہاذیب کی صورت کے عادی ہیں اس سے ذرا سی مختلف صورت بھی جاں انھوں نے دیکھی اور بس وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اس شخص کا دین بدل گیا ہے اور یہ ہماری امت سے نکل کر دوسری امت میں جا ملا ہے۔

یہ رائے جو میں عرض کر رہا ہوں یہ صرف میری انفرادی رائے ہی نہیں ہے بلکہ پہلے بھی متعدد اہل تحقیق اسی خیال کا اظہار کر چکے ہیں۔ اس وقت میرے پاس سفر میں کئی جہاز موجود ہیں۔ اس لیے میں زیادہ وسیع

پیاز پر شواہد پیش نہیں کر سکتا، لیکن مجاہد ابوالفتح خوش قسمتی سے مل گئی ہے اس سے چند حوالے یہاں نقل کرتا ہوں۔ شاہ حسن پیلے تو یہ اصولی بات ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

الأصل ان يعمل بكل حديث الا ان يمتنع العمل بالجميع للتناقض (باب نقض في الامايشة مختلفه)
اصولی بات یہ ہے کہ آدمی ہر حدیث پر عمل کرے، الا یہ کہ کسی مسئلہ میں سب حدیثوں پر عمل کرنا تناقض کی وجہ سے غیر ممکن ہو۔

پھر آگے چل کر فصل فی عداۃ امور، مشکلة من التقليد واختلاف المذاهب میں فرماتے ہیں:-
ان اکثر صور الاختلاف بين الفقهاء لا سيما في المسائل التي ظهر فيها اقوال الصحابة في الجانبين كتكبيرات التثنية وتكبيرات العيد ونكاح المحرم وتشهد ابن عباس وابن مسعود ولا خفاء بالبسطة وبأمين ولا شفاء ولا قتيبة في الإقامة ونحو ذلك، انما هو في ترجيح احاد لقول وكان السلف لا يختلفون في اصل المشرع وعينه وانما كان خلا فهم في اونی الامور من نظيره اختلاف القراء في وجوه القراءة وقد عللوا كثيرا من هذا الباب بان الصحابة مختلفون وانهم جميعا على الهدى۔

واقعہ یہ ہے کہ فقہاء کے درمیان اختلاف کی اکثر صورتیں بالخصوص ان مسائل میں جس میں صحابہ کے اقوال و دونوں طرف پائے جاتے ہیں مثلاً تکبیرات تشریفی، تکبیرات عیدین، نکاح محرم، تشہد ابن عباس و ابن مسعود، بسم اللہ اور آمین کا اخفاء، تکبیرات اقامت میں کلمات کو ایک ایک مرتبہ یا دو دو مرتبہ پڑھنا وغیرہ، ان میں اختلاف دراصل اس امر میں ہے کہ دو اقوال میں سے کس کو کس پر ترجیح ہے ورنہ ان مختلف طریقوں کے بجائے خود شروع ہونے میں سلف کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا۔ ان کا اختلاف تو صرف اس اعتبار سے تھا کہ دو مختلف امور میں سے اولیٰ کو نسا ہے، اور یہ اختلاف ایسا ہی ہے جیسے قرأت کی مختلف صورتوں میں قاریوں کے درمیان اختلاف ہے اس معاملہ میں بیشتر امور کے اختلاف کی وجہ سلف نے یہ بتائی ہے کہ صحابہ کرام

خود ان میں مختلف تھے اور ظاہر ہے کہ صحابہ سب کے سب ہدایت پر تھے۔

پھر باب اذکار الصلوة وھیأتھا المندوب الیہا میں فرماتے ہیں:-

وهو (احیاء الیدین) من الھیأت وفعله
النبي صلى الله عليه وسلم مرة وتركه مرة والكل سنة
واخذ لكل واحد جماعة من الصحابة والتابعين
ومن بعدهم وهذا احد المواضع التي اختلف
فيها الفريقان اهل المدينة والكوفة ولكل واحد
اصل اصیل والحق عندی فی مثل ذلك ان الكل
منه

اور وہ (یعنی رشتہ یارین) نماز کی ان ہیئتوں میں سے ہے جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کیا ہے اور کبھی نہیں کیا۔ اور یہ دونوں طریقے سنت ہیں، صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں میں سے ایک ایک جماعت نے ان میں سے ایک ایک طریقے کو اختیار کیا ہے، اور یہ من جہان معاملات کے ہے جن میں اہل مدینہ اور اہل کوفہ کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے، لیکن ہر ایک کے لیے ایک ثابت شدہ اصل شریعت میں موجود ہے اور ایسے مسائل میں میرے نزدیک حق یہ ہے کہ سب مختلف طریقے کی سنت ہیں۔

شاہ صاحب کی ان تصریحات کے بعد اس امر کی ضرورت نہیں رہتی کہ میں آمین کے مسئلہ کے متعلق الگ بحث کروں۔ تاہم اس معاملہ میں صاحب النجۃ ہر انتقی کا یہ قول نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ:-

والصواب ان التحمین بالجہر بھا والمخافتۃ اور صحیح یہ ہے کہ آئین زور سے کہنے اور کہتے کہنے، دونوں کی روایتیں صحیح صحیحان وعمل بكل من فعلیہ جماعۃ من العلماء ہیں اور ان میں سے ہر ایک پر علماء کی ایک ایک جماعت نے عمل کیا ہے۔

۳۔ ہماری جماعت کا ان اختلافی معاملات میں جو مسلک ہے اس کی توضیح اس سے پہلے بارہا کی جا چکی ہے، اور میں اب ایک مرتبہ پھر اسے صاف صاف الفاظ میں بیان کیے دیتا ہوں۔ اس جماعت میں اہل حدیث، احناف، شوافع اور ایسے ہی دوسرے فقہی طریقوں پر چلنے والے مسلمانوں کے لیے اپنے اپنے فقہی مسلک پر عمل کرنے کی پوری آزادی ہے، بشرطیکہ وہ ان مسلمانوں میں سے کسی کے لیے متعصب نہ ہوں اور ان اختلافات کو مناسرت اور حجتہ بندی کا ذریعہ نہ بنائیں۔ جماعت کے اندر جو لوگ بھی شامل ہوں انھیں اسلامی عصبیت کے سوا اور ساری عصبیتیں اپنے اندر سے نکالنی ہوگی خواہ وہ وطنی عصبیتیں ہوں، نسلی ہوں، طبقاتی ہوں یا گروہی۔ ان کو محبت اور دوستی کے رشتہ میں جوڑنے والی چیز اسلام کے سوا اور کوئی نہ ہو، اور ان کے اندر غصہ و نفرت کو بھڑکانے والی بھی اسلام سے ویری کے سوا کوئی دوسری چیز نہ ہو۔ کسی رکن جماعت کے لیے کسی دوسرے شخص کا اہل حدیث یا حنفی یا شافعی مسلک پر ہونا یا اختیار کر لینا تو سبب محبت ہی ہو اور نہ سبب نفرت۔ اس لازمی و ضروری شرما کے ساتھ اہل حدیث اہل حدیث رہتے ہوئے اور حنفی حنفی رہتے ہوئے اور شافعی شافعی رہتے ہوئے جماعت اسلامی کا رکن ہو سکتا ہے۔ لیکن جو شخص کسی مخصوص فقہی مذہب کے لیے متعصب ہو، اور اپنے مذہب کے پیروؤں سے محبت اور دوسرے طریقے والوں سے نفرت رکھتا ہو، اور حنفی، شافعی یا اہل حدیث ہو جانے کو جرم سمجھتا ہو اس کے لیے ہماری اس جماعت میں کوئی جگہ نہیں۔

۴۔ میرے متعلق اس نزاع کے سلسلہ میں جو کچھ کہا گیا ہے اُس پر میں صبر کرتا ہوں اور ان لوگوں کے معاملہ کو خدا پر چھوڑتا ہوں جنہوں نے بغیر علم و تحقیق کے یہ بدگمانی لوگوں میں پھیلانی کہ میں اہل حدیث کو حنفی بنانے کی سازش کر رہا ہوں۔ کاش وہ لوگ جو فقہی جزئیات میں کتاب و سنت کی پیروی پر بڑا زور دیا کرتے ہیں، اخلاقی معاملات میں بھی کتاب و سنت کی کچھ پیروی کر لیا کریں۔

۵۔ آپ کے والد ماجد نے اس قضیہ میں جو رویہ اختیار کیا ہے اس کی دو حیثیتیں ہیں، ایک رکن جماعت ہونے کی حیثیت سے اور ایک آپ کے والد ہونے کی حیثیت سے۔ جہاں تک پہلی حیثیت کا تعلق ہے اس پر میں نمبر ۳ میں روشنی ڈال چکا ہوں لہذا وہ براہ کرم اپنے متعلق فیصلہ کر لیں کہ آیا وہ اپنے رویہ کو بدنام پسند فرماتے ہیں یا جماعت سے علیحدگی۔ رہی دوسری حیثیت، تو اس کے متعلق میں مختصر طور پر صرف یہ کہہ دینا کافی سمجھتا ہوں کہ جہاں تک اصول دین کا تعلق ہے، والدین کو نہ صرف یہ حق ہے بلکہ یہ ان کا فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اعتقادی ضلالت یا اخلاقی فساد سے روکنے کی کوشش کریں۔ لیکن جہاں تک فقہی معاملات کا تعلق ہے، والدین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اولاد کو اپنے مسلک خاص کی پیروی پر مجبور کریں۔ خصوصاً جبکہ اولاد صاحب علم ہو اور تحقیق کی بنا پر والدین سے مختلف کسی دوسرے مسلک فقہی کو اختیار کرنا چاہے تو والدین کے لیے یہ مطالبہ کرنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ وہ اپنی تحقیق کے خلاف عمل کرے۔ اس معاملہ میں سلف کا صحیح اتباع یہ ہے کہ والدین اور اولاد دونوں کو تحقیق کی آزادی اور اپنی تحقیق پر عمل کرنے کا حق ہونا چاہیے۔ اس حق کو سلب کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر ایک شخص اہل حدیث یا حنفی یا شافعی ہو تو وہ اپنی آئندہ نسل کو بھی اہل حدیث، حنفی یا شافعی بنانے پر اصرار کرے گا اور دو چار پشتیں گزر جانے کے بعد